© rasailojaraid.com

عارفِ اسرارِ حیات

سید صبیح الحسن ہمدانی

(زیرِ نظر تحریر ایک غیر مربوط ذہنی رو کی لفظی صورت ہے۔ کسی مرتَّب و مدوَّن گفتگو کو تلاشنا عبث ہوگا۔)

میرے لیے زندہ رہنے کے اسباب میں سے ایک، میرے اقرب من حبل الورید ماموں سید محمد ذوالکفل بخاری کی قیمت میرے لیے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ تھی۔ یہ تأثر اُس وقت سے اب تک قائم ہے جب میں ہوش سنبھال رہا تھا، یا (بقولِ یک مردِ دانا) ہوش مجھے سنبھال رہا تھا۔ طالب علمی کے سفر کی مختلف منازل میں ایک حدیث مبارکہ مجھے کبھی نہیں بھولی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ماموں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے **هٰذا خالی فلیُرِنی أحدٌ خالهٗ** (یہ ہیں میرے ماموں، کسی اور کے بھی ہیں ایسے؟ ذرا ہم بھی تو دیکھیں)

بے شعوری کے زمانے میں میرے لیے بھلائی، بڑائی اور اچھائی کے معنوں کی پیمائش کے لیے صرف ایک ہی پیمانہ تھا...... میرے ماموؤں کا تسلیم کرنا...... اللہ ہی کا شکر ادا کروں کہ شعور آنے کے بعد بھی میرا یہ معیار میرے ہر طرح آزما لینے کے باوجود آخری معیار ہی ہے۔

''ہمدرد نونہال'' ماموں جان کی مجھ پر ہونے والی نوازشات میں سے ایک ہے۔ ہر سال ایک سالنامہ اور اُس کے ساتھ ایک تحفہ...... میرے بچپن اور لڑکپن کی روشن یادوں میں شامل ہے۔ آٹوگراف بک کا تحفہ دو سے تین بار ملنا یاد ہے۔ ظاہر ہے اُس پر آٹوگراف بھی لیے گئے، اور اظہر ہے کہ ماموؤں سے اور اُن کے دوستوں سے۔

یادوں کے منظر نامے میں اُن کی پہلی ہی تصویر ایک کتاب کا تحفہ ہے۔ اُس وقت میری عمر یقیناً چار سال سے کم ہی تھی کہ میں اُس کتاب کو امی اور پھوپھیوں سے پڑھوا کر سُن ہی سکتا تھا۔ ۷، اگست ۱۹۹۶ء...... جب مجھے اپنی ہمشیر کے ساتھ اپنے آبائی گھر، اپنی امی ابی، چچاؤں اور پھوپھیوں کو چھوڑ کر اپنے ننھیال ملتان ''ہجرت'' کرائی گئی...... سے لے کر الی الآن میرا تعلیمی سفر ایک ہی آدمی کے سر پر چلا ہے۔ میں نے علم کے نام پر جہلِ مرکب سے جو چھٹکارا حاصل کیا وہ ماموں جان کی وجہ سے ہی ہوا۔

☆

منے ماموں نے کسی مدرسے میں علوم کی باقاعدہ تکمیل نہیں کی لیکن وہ عالم تھے۔ بہت بڑے عالم۔ یہی اُن کے ہاں تکریم کی وجہ تھی۔ ہاں اضافی فضیلت اور احترام کے لیے چند ایک اور وجوہات بھی تھیں۔ میں نے جب کبھی اُن کو کسی کا احترام کرتے ہوئے دیکھا، اس کی وجہ ضرور دریافت کی۔ عام طور پر جواب کچھ ایسے ہی ہوتے تھے۔ مثال سے بات واضح ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرمایا ''انصاری صاحب اچھے اِنسان ہیں، واقعتاً عالم آدمی ہیں''، ''عابد صاحب بہت بڑے عالم تھے''، ''مشفق خواجہ عالم ہیں''، ''حضرت تھانوی عظیم انسان تھے، بڑے عالم تھے اور کبھی مداہنت نہیں کی، حق اگر اپنے محبوب اُستاد کی رائے کے خلاف نظر آیا تو بھی شخصیت کے بوجھ نے اتباعِ حق کے جذبے کو نہیں دبایا''، ''مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب محض لیڈر نہیں تھے، عالم تھے بہت بڑے، اُن کے علم کا تو حساب ہی نہیں ہے''، ''حضرت مدنی کا علم وفضل......سبحان اللہ استقامت وجرأت کا ہی بدل نہیں''، مولانا داود غزنوی نرے عالم ہی نہیں، اہلِ دِل بھی تھے'' تقی صاحب مضبوط عالم ہیں اور خوبی یہ ہے کہ مداہنت نہیں کرتے''۔ وغیرہ

اُن کی علمی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو بے تعصبی تھا۔ علمی اختلاف کرنے والوں کے لیے اُن کے ہاں ہمیشہ معافی تھی۔ میں نے اُن سے مولانا مودودی، فاضل بریلوی اور مولانا اصلاحی کے ناموں کو ایسے لہجے میں سنا ہے جیسا عام طور پر اُن کے حلقوں سے باہر کے لوگ نہیں استعمال کرتے، آخر الذکر کا تذکرہ تو خاصے احترام سے فرماتے تھے۔

عصبیت اور تعصب عمرانیات کی دو مختلف اصطلاحات ہیں، اور اختلافِ وضع، اختلافِ معنی کی نشانی ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ عصبیت تو اُن میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور تعصب اُنھیں چھو کر نہ گزرا تھا تو شاید یہ درست صورتِ حال کی عکاسی کرے۔ میرے خیال میں یہاں ''تصلب'' کا لفظ مکمل طور پر کارگر نہیں۔

☆

ماموں جان کی زندگی کے دو زاویے زیادہ تر میری توجہ کا مرکز رہے۔ ایک اُن کی داعی اور مربی کی حیثیت، دوسرے اُن کی انفرادی اور گھریلو زندگی۔

مربی اور داعی کی حیثیت میں وہ قال کی پستیوں سے بالاتر تھے۔ اُن کے اُسلوبِ دعوت وتربیت کا مطالعہ مجھے ہمیشہ محقق اور اولوالعزم صوفیاء کے واقعات یاد دلاتا ہے۔ اُنھوں نے کبھی مجھے کوئی نظریہ یا عقیدہ اختیار کرنے کو نہیں کہا۔ اشکالات پیش کرتے وقت جتنا بے خوف میں اُن کے سامنے ہوتا تھا اتنا تو میں اپنے ضابطے کے اساتذہ کے سامنے بھی نہیں ہو سکا۔ آج میں الحمدللہ اُن کے عقیدے کا قدم بہ قدم پیرو اور اُن کے بہت سے نظریات کا قائل ومعترف ہوں۔ لیکن اپنی تحقیق اور مطالعے سے۔ کسی کے کہے بغیر۔

تربیت کی لائن میں اُن کی سب سے زیادہ کوشش یہ ہوتی کہ یعنی ولایعنی کا فرق معلوم ہو جائے، اور لایعنی چھوٹ جائے۔ اِس ایک مضمون کو اُنھوں نے میرے لیے ہزار رنگ سے باندھا۔ ادب کا مطالعہ کرتے دیکھا تو ایک عرصے تک حوصلہ افزائی نہیں کی۔ حتّٰی کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ یہ اُن کی خاطر پہ بار ہے، پھر ایک روز فرمایا کہ آپ یہ سب کیوں پڑھتے ہیں؟ میں نے حسن عسکری، مشفق خواجہ اور عابد صدیق صاحب جیسے معاشی اور تہذیبی نقادوں کے تازہ تازہ رٹے ہوئے نظریات اگل دیے۔ اس سے اُن کی مکمل تشفی تو نہ ہوئی لیکن محسوس ہوا کہ ناگواری ختم ہو گئی۔

☆

شرحِ صدر، علیٰ وجہ البصیرت عمل ہونا اور معلومات پر عامل ہونا جب مطلق بولے جائیں تو میرے ذہن کے آئینے پر ان کے فردِ کامل کی صورت اُبھرتی ہے۔ یعنی میرے مُنّے ماموں کی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

☆

وہ مخالف کو اپنا نکتۂ نظر بدلنے یا کم از کم ایک دوسرے پہلو سے دیکھنے پر مجبور ضرور کر دیا کرتے تھے۔ ایک روز مجھے سرکاری اداروں میں موجود دین دار لوگوں کے بارے میں بتاتے ہوئے چند علماء کا ذکر اُنھوں نے بہت احترام سے کیا، میرے اندر کے خام احراری کو اس پر اعتراض ہوا، میں نے کہا ''آپ فلاں اور فلاں کو دیندار کہتے ہیں؟ جبکہ اقبال پر اُس کی تحریرات سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اُسے اقبال سے سچی عقیدت تھی، حالانکہ اقبال تو ایسا ہے اور ویسا ہے''۔ باوجودیکہ علامہ محمد اقبالؒ سے اُن کی عقیدت اور احترام انتہائی گہرا اور بچپن کا تھا، وہ میری بات پر برہم نہیں ہوئے۔ رُخ موڑا اور کہا ''اقبال جیسا بھی تھا اُس سے غرض نہیں، ان صاحبان کے لیے ہمارے دِل میں جو نرم گوشہ ہے وہ اِس لیے ہے کہ اقبال کا جو بنیادی مسئلہ ہے......یعنی دین......وہ اِن کا بھی مسئلہ ہے۔ یہ اپنے دین کے بارے میں ویسے ہی فکر مند ہیں جیسے ہمارے علماء بلکہ بعض صورتوں میں بڑھ کر''۔ بات بے غبار ہوگئی۔

☆

عام مشاہدہ ہے کہ کسی جزئی مسئلے پر اجتماعی فکر سے نظریاتی اور علمی اختلاف کرنے والے، مخالفین کے غیر علمی رویوں کے ردِّعمل میں جذبات کی شدت سے مغلوب ہو کر اختلاف کا دائرہ وسیع کرتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ ایک بالکل نیا فرقہ (مسلک، مشرب، حلقہ) وجود میں آ جاتا ہے۔ میں ذاتی طور پر اُن کا احسان مند ہوں کہ اُنھوں نے مجھے علمی اختلاف کی حدود سے آگاہ کیا، بے عقل جذبات کی پیروی سے نجات کا راستہ سکھایا۔ اور طریقہ یہاں بھی وہی تھا، مکالمے کا، سمجھانے کا، دوسرا رخ دکھانے کا، اور وہ اِس میں کامیاب رہے۔

میری کیفیت یہ تھی کہ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور اُن کے سلسلے کے اصاغر کے لیے دل میں کما حقہ احترام نہیں رکھتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک افسوس ناک صورت تھی۔ ماموں جان میرے دل کی اِس کلونس کو غیر محسوس انداز میں دھونے میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ دو سال قبل جب مجھے شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے رسائل سے نیاز مندانہ استفادہ کرتے ہوئے دیکھا تو میں نے دیکھا اُن کے چہرے پر حقیقی مسرّت کے کئی رنگ تھے۔ بعد میں مجھے فرمایا کہ بات شخصیات کی نہیں رویوں کی ہے۔ اور مجھے خوشی ہے کہ آپ کے رویے مائل بہ اصلاح ہیں۔

اپنے مطالعۂ تاریخ کے آغاز کے دور میں ایک مجلس میں گفتگو کرتے ہوئے میں نے سیّدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے سسرالی اعزا اور بنو ہاشم کے چند دیگر بزرگوں کے زمانۂ جاہلیت کے واقعات مثلاً اُن کی درشت روئی، اہلِ حق کی مخالفت اور خاص طور پر بنتِ نبی الکبریٰ سیدہ زینب بنت محمد صلی اللہ علیہا پر تشدّد کا واقعہ وغیرہ خاصی تفصیل کے ساتھ سُنائے۔ میں نے کہا کہ فلاں صاحب کے بارے میں آتا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں بڑے ''گلیر'' تھے، گالیوں کے معاملے میں فصاحت اور بلاغت گویا اُن پر ختم تھی۔ ماموں جان وہاں موجود تھے فوراً فرمانے لگے ''سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو کیسے کیسے ساتھی عطا فرمائے، جو جاہلیت میں ہوں یا اسلام میں نمایاں ہی نظر آتے ہیں''۔ مجھے ایسے ہی محسوس ہوا جیسے کمزور بینائی والے کو اچانک عینک لگانے سے ہوتا ہے، کہ دور کے مناظر صاف دکھائی دینے لگتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

☆

حوصلہ بڑھانا اُن کے مزاج کا ایک جز تھا، بلکہ بہتر یہ ہے کہ فطرتِ ثانیہ بن چکا تھا۔

جب اُنھیں معلوم ہوا کہ میں نے علمِ عروض کے بنیادی ڈھانچے سے واقفیت حاصل کر لی ہے، تو انتہائی خوشی کا اظہار کیا۔ مختلف مواقع پر تقطیع کرائی۔ ایک بار شورش کاشمیری مرحوم کی عالی شان نظم ''ظفر علی خاں کو ڈھونڈتا ہوں'' ......جس کے رجز یہ آہنگ نے مجھے بچپن میں بہت متاثر کیا ہے...... پڑھنے کے لیے دی اور کہا کہ اِس میں غلطی ڈھونڈو، میں نے اُسے پڑھا اور غلطی کی نشاندہی کی تو مسرت کا اظہار فرمایا۔ پھر کہا کہ اگرچہ یہ ایسی باتوں کا بہت خیال رکھنے والے لوگ ہیں لیکن غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ مولانا ظفر علی خان کے نورِ خدا...... والے شعر اور اُس میں کی غلطی کے بارے میں بھی بتایا اور اس میں اختلاف کا ذکر بھی کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ عقل و شعور سنبھالنے کے بعد میری اُن سے ملاقاتیں لمبے وقفوں کے ساتھ ہوتی رہیں۔ جب بھی کوئی اعلیٰ خیال کوئی اچھا شعر یا کوئی ادب پارہ، میری نظر سے گذرتا میں اُسے اُنھیں سنانے کے لیے یاد کر لیتا، جب اُن سے ملاقات ہوتی، اپنا کل ذخیرہ پیش کرتا، نئی خرید کردہ کتابیں دکھاتا اور خوب ہاتھ ہلا ہلا کے عقلمندی کی باتیں کرتا اور دانش بگھارتا۔ وہ میری اِن ''بصیرت افروز'' باتوں کی خوب داد دیتے۔ کہیں کہیں یوں ہی معمولی سا اختلاف کرتے، جو ستائش کے نشے میں کبھی یاد نہ رہتا۔ کچھ دن اسی عیش میں گزرتے اور پھر اُن کے کوچ کی گھڑیاں ہمیں دوبارہ جُدا کر دیتیں۔ اُن سے دور رہنے کے ایام میں اُن کے سامنے جھاڑی گئی میری تقریروں کے درمیان اُن کے کہے گئے چھوٹے چھوٹے جملوں کو ذہن میں دہرانے سے مجھ پر یہ کُھلتا کہ اِس بار تو میں نے ماموں جان سے جتنی باتیں بھی کہیں وہ سب نہایت احمقانہ اور بے وقوفی پر مبنی تھیں۔ میں شرمندہ ہوتا اور اُن کی آمد تک نئی تیاریوں میں لگ جاتا۔ انتہا یہ ہے کہ ایسا ایک بار نہیں کئی بار ہوا۔ حتیٰ کہ آخری ملاقات میں بھی ایسا ہی ہوا۔ اب جب مجھے ان سے اِس دنیا میں دوبارہ نہیں ملنا، میری پریشانی یہ ہے کہ اب مجھے اپنی غلطیوں کا احساس کیسے ہوگا۔

☆

ماموں جان کے محترم دوست اور ممدوح شاعر جناب مستحسن خیالؔ نے کہا تھا

چند کتابیں ہیں میری کچھ ہیں رونے والے
پھیر کر سب سے نظر ساتھ میں ہولوں گا خیالؔ
موت ہولے سے مرے در پہ جو دستک دے گی

مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ لائینیں ماموں جان کی آواز میں اُن کے مخصوص گھمبیر لہجے میں میرے کانوں میں بج رہی ہوں۔ اُن سے ہمیشہ کی جُدائی کا سانحہ اور وہ بھی اتنا جلد......میری معمولی سی حدِ برداشت سے بہت زیادہ ہے۔ اے کاش یہ تعویقات نہ ہوتیں، واللہ مجھے جینے کی خواہش نہیں رہی۔

عاقبت منزل ما وادیٔ خاموشان است
حالیا غلغلہ در گنبد افلاک انداز

© rasailojaraid.com